جن عباسی شعراء نے ایرانی تصیدے کو متاثر کیا، ان میں ابونواس، ابو تمام، البحتری، ابن الرومی، ابن المعتز اور المتنبی سرفہرست ہیں۔ آخر الذکر نے خصوصی طور پر آنے والی عربی اور فارسی شاعری پر اپنے تاثرات چھوڑے ہیں۔ اسی وجہ سے رشید الدین، صاحب حدائق السحر کو کہنا پڑا کہ

"نازک خیالی اور بندش الفاظ میں متاخرین شعرائے اسلام متنبی کے نقش قدم پر چلنے والے ہیں" [۵۱]

ایرانی شعراء میں سے دو کو اس سے بڑی مشابہت ہے [۵۲] دولت شاہ کا بیان ہے:

"بلا شک و شبہ فصاحت اور بلاغت عربوں کی خصوصیتیں ہیں۔ ایرانی شعراء نے اس سمت میں اور بالخصوص علم معانی و بیان میں ان کا تتبع کیا ہے۔ علم البیان و المعانی میں واقعۃً عرب شہ زور ہیں" [۵۳]

اس زبردست تبدیلی کے اسباب معلوم کرنا بہت آسان ہے۔ ایران میں شاعری اُس وقت

[illegible]

اس اور جریر کے اشعار کو قمری زلزل کی آواز میں گا رہی ہے
صفحہ نمبر ۳۰ سطر ۱۶ میں ہے
صلصل تواند ہمی شعر لبید و زہیر
نارو راند ہمی مدح جریر و ختم
و زہیر کی نظمیں قمری گا رہی ہے اور جریر و ختم کے قصائد بٹیر پڑھ رہی ہے)۔
تذکرۃ الشعراء صفحہ ۴۴
و عنصری اور فرخی ہیں۔ رشید[illegible] کی نظر میں عنصری کا فارسی میں وہی مقام ہے جو متنبی
ہے۔ دو قصائد میں مختصر [illegible]

شروع ہوئی، جب قصیدہ گوئی اپنے عروج پر تھی - اس وقت تک عربی قصیدہ اپنی اصلی آب و تاب کھو چکا تھا اور وہ امراء کی خوشامد کرنے کے لیے ایک ذریعہ بن چکا تھا - ایرانی شعراء بھی امراء کی نظر کرم کے منتظر رہتے تھے، چنانچہ انھیں بھی قصائد لکھنے والوں کے نقش قدم پر چلنا پڑا اور ابتدا سے ہی فارسی قصیدے میں ضمیر فروشی کا عنصر نمایاں ہونے لگا۔ متقدمین شعراء کی خصوصیات عنقا ہوگئیں - عرب شعراء کتنے ہی کیوں نہ جھکیں پھر بھی وہ شان استغنا کو کسی حد تک برقرار رکھتے تھے - اور بسا اوقات ممدوح سے ہمسری کا دعوٰی کرتے تھے، لیکن ایرانیوں میں یہ بات کہاں سے آتی؟ ان کی نظروں میں حکمران طبقہ عدل و انصاف کا خدائی نمائندہ اور ظل اللہ تھا - ایران میں بڑی مدت تک شاہوں کی حکومت رہی اور رعایا نے محکومی کی وجہ سے ذلت اور خواری میں زندگی گزاری - اس زندگی کی جھلکیاں ان کے منظومات میں موجود ہیں - شعراء نے متقدمین کے طرز پر قصائد لکھنا شروع کیے اور چربہ اتارنے میں وہ ان سے دو قدم آگے بڑھ گئے - خیالات وہی پرانے ہیں لیکن ان میں ایسی کثرت پیوند ہوئی کہ ان کی اصلی ہیئت کو پہچاننا مشکل ہوگیا - ان حالات میں کوئی خیال ایسا نہ تھا جو اگلوں نے چھوا نہ ہو - متاخرین کا کہنا بجا تھا کہ متقدمین نے کوئی نئی بات نہیں چھوڑی - مثال کے طور پر عنترہ اور زہیر کو لے لیجیے، دونوں کو نئے خیالات کے فقدان کی شکایت ہے[1] غور سے دیکھیے تو ایرانی شاعری

---

[1] عنترہ کے معلقہ کی ابتدا ھل غادر الشعراء من متردم سے ہوتی ہے - (یعنی کیا متقدمین نے میرے لیے کوئی چیز چھوڑی کہ میں بھی اس میں پیوند کاری کروں) - زہیر نے کہا ہے :-

ما ارانا نقول الا معارًا   او معادًا من لفظنا مکرورًا

(یعنی ہم غیروں کے خیالات کو مستعار لے کر دہراتے جاتے ہیں یا پھر اپنے ہی الفاظ کو بار بار کہتے پھرتے ہیں)
گوئٹے نے اسی بات کو کئی الفاظ میں دہرایا ہے :- "Alles Gescheidte ist schon gedacht worden; man muss nur versuchen es noch einmal zu denken."
آندرے ژید نے کہا ہے "Toutes choses sont dites déjà, mais;

(باقی حاشیہ آئندہ صفحے پر)

میں انھی خیالات کا مختلف پیرائے میں اعادہ ہو رہا ہے[1] عرب متاخرین کے مانند ایرانیوں نے بھی، شاعری کو ایک فن کی حیثیت دے دی - نظامی عروضی نے ایک شاعر کی لازوال شہرت کے لیے جو اوصاف بیان کیے ہیں وہاں یہ کہا ہے :-[2]

"شاعر اس مرتبے پر اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک آغاز شباب اور عالم جوانی میں متقدمین کے اشعار بیس ہزار شعر اور متأخرین کے کلام سے دس ہزار ابیات مستحضر نہ کرلے اور ہمیشہ استادوں کے دیوان پڑھتا رہے - یہ بھی معلوم کرے کہ سخن کی باریکیوں اور تنگیوں سے ان کی آمد و رفت کس طریقے پر ہوئی ہے تاکہ اشعار کے اقسام و طریقے اس کی طبیعت پر منقش ہو جائیں اور شعر کی اچھائی اور برائی اس کے صحیفۂ عقل پر ثبت ہو جائے - اس سے اس کا کلام ترقی کی طرف راجع ہوگا اور اس کی طبیعت بلندی کی طرف مائل ہوگی - جب طبیعت شعر نظم کرنے میں پختہ ہو جائے اور اس کا کلام مناسب ہونے لگے تو وہ فن شعر کی طرف متوجہ ہو اور علم العروض پڑھے - اُستاد ابوالحسن البہرامی السرخسی کی تصنیفات کا مطالعہ کرے - مثلاً غایۃ العروضیین

(گزشتہ صفحے کا حاشیہ)

Comme personne n'écoute il faut toujours recommencer"

اور SWIFT کہتا ہے :-

Thus every poet in his kind
Is bit by him that comes behind

[1] اس قسم کے سرقہ کی کچھ مثالیں پانچویں باب کی ابتدا میں دی گئی ہیں -

[2] چہار مقالہ : صفحہ ۳۰ - انگریزی ترجمہ پروفیسر براؤن کا ہے - ملاحظہ ہو اُن کی کتاب THE FOUR DISCOURSES صفحہ ۴۹

ادکنز القافیہ، نقد الفاظ، سرقات اور تراجم (حالاتِ زندگی) کو اور
اس علم کی ہر قسم کو استاد سے جس کو وہ مناسب سمجھتا ہو، پڑھے تاکہ
خود بھی اُستاد کہلانے کا مستحق ہو"

نظامی عروضی چھٹی صدی ہجری کے آدمی تھے اور ان کے وضع کردہ قوانین کا اطلاق اوائلی شعرائے فارسی پر مثلاً رودکی وغیرہ پر نہیں ہوسکتا۔ تاہم ان کے اشعار میں عربی بحور اور اوزان کی کافی جھلکیاں موجود ہیں۔ غزنویوں اور سلجوقیوں کے عہد کے شعراء کو چھوڑ کر اگر ہم عہد سامانیہ کے ابتدائی عہد کے شعراء کو لیں تو سب صاحبِ علم و فضل نظر آتے ہیں اور ان کو دونوں زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ ایسے[۱] شعراء کے ضمن میں عوفی نے ابوالحسن شہید بلخی، ابوبکر محمد بن علی الخسروانی السرخسی اور ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الجنیدی کے نام گنوائے ہیں۔ رودکی کے لیے مشہور ہے کہ وہ مادر زاد اندھا تھا لیکن وہ کئی علوم متداولہ پر دسترس رکھتا تھا۔ ذیل میں دیا ہوا شعر اس بات کی شہادت کے لیے کافی ہے[۲]

بغنود تنم بر درم و آب و زمین
دل بر خرد و علم و دانش بغنود

(میرا جسم دولت، عزت اور جائداد کی طرف مائل تھا اور میرا دل علم، حکمت اور دانش کی طرف مائل تھا)

اُسے عرب شعراء کے دواوین سے بڑی دلچسپی تھی۔ مزید ثبوت کے لیے اس کا قصیدہ ... مطالعہ کیجیے، اس میں ان شعراء کی کافی تلمیحات ہیں۔ "مادرِ مے[۳]" والا قصیدہ ابوجعفر احمد بن محمد بن

۱۔ ایسے شعراء کے کئی نام جنھوں نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہے ہیں۔ یتیمۃ الدہر ... دمیۃ القصر میں مل جاتے ہیں۔ ۲۔ سروری: مجمع لغاتِ فرس۔ لفظ "غنود" میں۔

۳۔ مجلہ شاہی، انجمن الشیائی: اپریل ۱۹۲۶ء۔ صفحات ۲۱۳ تا ۲۲۳۔ اس سارے قصیدے کو سر ڈینیس راس نے ترجمہ کے ساتھ شائع کیا ہے۔ اسی کے ساتھ ان مختلف الفاظ کو بھی ... گیا ہے جو مرزا قزوینی کی تحقیق ہے۔ مذکورہ بالا اقتباس میں شعر ۸ اور شعر ۱۸ کی ترتیب الٹ دی گئی ہے۔

خلف بن اللیث کی شان میں لکھا گیا تھا جو ۳۱۱ھ میں سیستان کا گورنر مقرر ہوا تھا۔

(۷۹) اینک مدحی چنانکہ طاقت من بود لفظ ہمہ خوب و ہم بمعنی آسان

یہ قصیدہ پیش خدمت ہے۔ یہ ہے جو میں لکھ سکتا تھا۔ اس کے الفاظ خوب ہیں، اور یہ سمجھنے میں بہت آسان ہے۔"

(۸۰) مدح امیری کہ مدح اوست جہان را زینت و ہم زوی و فر و نزہت سامان

یہ اس امیر کی شان میں لکھا گیا ہے جو دنیا کے لیے زیب و زینت ہے اور جس سے دنیا کو عزت، حشمت، مسرت اور تائید ملتی ہے۔

(۸۱) شعر سزاوار میر گفت ندانم[۱] ور چہ جریرم و طائی و حسان!

میں آپ کی شان کے مطابق شعر نہیں کہہ سکتا، گرچہ میں اپنے وقت کا جریر، طائی اور حسان ہوں۔[۲]

(۸۲) سخت شکوہم کہ عجز من بنماید ور چہ صریعم[۳] بافصاحت سحبان!

---

۱ اس شعر میں "شعر سزاوار میر" کی جگہ اصلی نسخے میں "جز بسزاوار میر" لکھا ہوا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ "میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ جو امیر کی شان کے مناسب ہے۔" سیاق و سباق کا خیال رکھا جائے تو یہ جملہ موزوں نہیں ہے۔ پھر بھی اگر اس کو صحیح مانا جائے تو شاعر کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ سچ ہے اور اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے، نیز وہ اس کے اوصاف بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہیں لے رہا ہے۔ "شعر سزاوار میر" مرزا قزوینی کی تصحیح ہے۔

رودکی کے قصیدے عرب شعراء کے مانند حقیقت پسندانہ ہیں۔ مثال کے طور پر اس کا وہ قصیدہ جو اس نے "بڑھاپے" پر لکھا ہے، اس خصوصیت کا مظہر ہے۔ اس میں اس نے اپنی جوانی کی باتوں کو دل گداز طرز سے بیان کیا ہے جو عربوں کا شیوہ ہے۔

۲ جریر، ابوتمام الطائی اور حسان کو رودکی نے مثالی قصیدہ گو شعراء تسلیم کیا ہے۔

۳ صریع سے مراد مسلم بن الولید ہے جسے صریع الغوانی کہتے ہیں (یعنی کشتۂ ماہرویان)۔ سحبان نام ہے مشہور اموی خطیب کا جو ۵۴ھ میں مر گیا۔

میں بہت ڈرتا ہوں کہ کہیں میری بےبسی ظاہر نہ ہو جائے۔ گرچہ میں صریع البیانی ہوں اور مجھ میں سحبان بن وائل کی سی فصاحت ہے۔

رودکی عربی زبان سمجھتا تھا، اس کی تصدیق اس امر سے ہو جاتی ہے کہ جب امیر نصر بن احمد (۳۰۱ تا ۳۳۱ھ) نے اس کو کلیلہ ودمنہ کی داستان منظوم کرنے کے لیے کہا تو اس نے کسی دوسرے سے ابن المقفع والی عربی داستان سنی اور اسے بحر رمل میں لکھا۔ اس کی فارسی نظم عربی نظم سے اتنی مطابقت رکھتی ہے کہ سر ای، ڈینی سن راس نے عربی متن کی غلطیوں کو اسدی کی لغات فرس میں دیئے ہوئے بستہ اشعار کی روشنی میں درست کیا ہے[۱]

فردوسی نے بھی، بقول اس کے شاہنامہ کے مواد کے سلسلے میں کئی عربی تاریخ کی کتابوں کو کھنگالا ہوگا۔ وہ خود کہتا ہے:

"میں نے بہت دیدہ ریزی کی ہے اور عربی اور فارسی کی کئی کتابیں پڑھی ہیں"[۲]

ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ملحوظ رہے کہ اوائل میں ایرانی شعراء کے راویاں ہوا کرتے تھے، جیسا کہ قدیم شعراء کے ہوا کرتے تھے، ان راویوں کا کام تھا کہ وہ اپنے اپنے شعراء کے کلام کو حفظ کریں اور موقعہ بہ موقعہ اس کلام کو سنائیں۔ رودکی پہلا شخص ہے جس نے بتایا کہ ایرانی شعراء نے بھی راویوں کو رکھنے کا طریقہ اختیار کیا تھا۔ چنانچہ فردوسی، مسعود سعد سلمان اور ابوالفرج الرونی کے اپنے اپنے راوی تھے[۳] سر ڈینی سن راس نے بھی اپنے مضمون بعنوان "تجلی رودکی"[۴] میں

۱؎ سر ای، ڈینی سن راس: دیباچہ پنچ تنتر جلد ۵ Ocean of Story ترجمہ N.M. Penzer صفحہ ۱۳۔ مزید ملاحظہ کیجیے: مجلہ شاہی ایشیائی انجمن، اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۱۲ - فردوسی نے شاہنامہ میں اس موقعہ کا ذکر کیا ہے جب نصر نے رودکی کو کلیلہ ودمنہ کی داستان منظوم کرنے کے لیے کہا تھا۔ دیکھیے شاہنامہ تصحیح Mohl جلد ۵ صفحہ ۱۷۵۰ سطور ۱۶ تا ۲۳۔

۲؎ پروفیسر نکلسن: Studies in Islamic Poetry صفحہ ۱۵-اس کا فارسی متن لباب جلد ۲ صفحہ ۳۳ اور صفحہ ۵ میں ملتا ہے۔ ۳؎ پروفیسر براؤن: تاریخ ادبیات ایران جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ - ۴؎ مجلہ شاہی ایشیائی انجمن۔ اکتوبر ۱۹۲۴ء صفحہ ۶۳۶

یہ ثابت کیا ہے کہ رودکی کا بھی ایک راوی تھا جس کا نام مج یا ماج تھا۔ یہ شخص رودکی کے اشعار نہایت خوش خوانی سے پڑھا کرتا تھا۔

علاوہ ازیں ایرانی شعراء نے خود تسلیم کیا ہے کہ انھوں نے عرب شعراء کی زندہ بانی کی۔ مثال کے طور پر انوری کا یہ شعر ملاحظہ ہو، جس میں اس نے الصاحب بن عباد کے مشہور قول کو تضمین کیا ہے کہ

"شاعری کا آغاز ایک امیر کرتا ہے اور شاعری کی انتہا بھی ایک امیر سے ہوتی ہے"[1] ؎

شاعری دانی کدامین قوم کردند آنکہ بود
ابتدا شان امرؤالقیس انتہا شان بوفراس

(کیا تجھے معلوم ہے کہ شاعری کن لوگوں نے کی ہے؟ ان کا پہلا شخص امرؤالقیس تھا اور آخری ابوفراس تھا)

ان میں سے بہت سوں نے عربی دان ہونے پر فخر کیا ہے اور خود کو عرب شعراء کا ہمسر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ مثال کے طور پر منوچہری نے قصیدہ ۱۵ سطر ۲۶ میں اپنے حریفوں کی بے علمی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ہے ؎

من بسی دیوان شعر تازیان دارم ببر
تو ندانی خواند الا بصحنک فاصبحینا

(مجھے تو عرب شعراء کے کئی دیوان ازبر یاد ہیں، تجھے تو الا بصحنک فاصبحینا بھی پڑھنا نہیں آتا۔ (یعنی "خبردار! ہمیں جام صبوحی پلا")۔

آخری مصراع میں عمرو بن کلثوم کے معلقہ کے پہلے شعر کی طرف اشارہ ہے۔ اسی شاعر نے[2] قصیدہ نمبر ۲۹ کے آخر میں خدا سے التجا کی ہے کہ "اُسے بشار کا دل اور ابن مقبل کا دماغ عطا ہو"

---

[1] یتیمۃ الدہر، جلد ۱ صفحہ ۲۲۔

[2] فارسی شعر یہ ہے ؎ دہد ایزد مرا در نظم شعرت دل بشار و طبع ابن مقبل!

تاکہ وہ اپنے ممدوح کی مدح سرائی کر سکے۔

معزّی ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے۔ اس نے "اے ساربان" والے قصیدے کے آخر میں ممدوح سے معذرت خواہی کی کہ اس نے اپنے قصیدے کی تشبیب میں عرب شعراء کے اُجڑے ہوئے خیمہ گاہوں کا ذکر کیا ہے۔ یہ قصیدہ اس باب میں دیا گیا ہے ؎

مشمر ز طبع من زلل ناشناس در شعر خلل گر من ز ربع و از طلل در مدح تو گفتم سخن

(اگر میں تیری مدح میں اُجڑے ہوئے خیموں کا ذکر کروں تو اسے میری طبع نقاد کی غلطی پر محمول نہ کرنا اور میرے شعر کا نقص نہ سمجھنا)

نغز و بدیعست این نمط در درج بی سہو و غلط زانسان کہ در درج و سمط یاقوت اندر مقترن

(یہ بہترین نہج ہے اور لکھنے میں بالکل بے عیب ہے، یہ اس یاقوت کے مانند ہے جو دھاگے میں پرو دیا جائے یا کسی ڈبیہ میں رکھا جائے۔)

اس شاعر نے اپنے دیوان میں کئی مقامات پر خود کو عرب شعراء سے تمثیل دی ہے۔ مثلاً

ہست معزّی بدولت تو عجم را ہمچو عرب را جریر و اخطل و اعشیٰ

(معزّی تیرے عہد میں ایران کے لیے ویسا ہی ہے جیسا کہ عربوں کے لیے جریر، اخطل اور اعشیٰ ہیں)

اسی طرح عبدالواسع نے بھی اپنی ڈفلی بجائی ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

اگر امرؤ القیس فخر عرب شد

سزد گر بتو فخر باشد عجم را

(اگر عرب امرؤالقیس پر نازاں ہیں تو ایران کو چاہیے کہ تجھ پر فخر کرے)

ذیل میں ان فارسی قصائد کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں جو عربی قصائد کے طرز پر لکھے گئے ہیں۔ سب سے پہلے ہم منوچہری کو لیتے ہیں:-

قصیدہ نمبر ۵

۱- سلامٌ علیٰ دارِ اُمّ الکواعب بتان سیہ چشم عنبر ذوائب

(سلام اس نازنین کے گھر کو جو ملکہ ہے خوبرویان سیہ چشم اور گیسوئے عنبر آگین کی

۴- رسوم التطلل و ... چو بر ... شور توقیع ...

اسلام اُجڑے ہوئے خیمہ گاہوں کے آثار پر،[۲] جو ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے شاہی فرمان پر وزیر کا طغرا۔

۴- فتادہ بنسرین برادساق سنبل چو برروی قرطاس خطہای کاتب

سنبل کی پنکھڑیاں جو نسرین پر گری ہوئی ہیں، سطریں معلوم ہوتی ہیں جو کسی منشی نے کاغذ پر لکھی ہیں۔

۵- مقام غوانی گرفتہ لواتج بساط عنادل سپردہ عناکب

لوحہ گر عورتوں نے دوشیزگان کی جگہ لے لی ہے، مکڑیوں نے بلبلوں کے مقامات پر جالے تنے ہیں۔

۶- چو سیر کواکب بدینگونہ دیدم براندم نجیب از مقام مصائب

جب میں نے ستاروں کی گردش اس طرح دیکھی، تو اپنے اعلیٰ قسم کے اونٹ کو ایسی ہولناک جگہ سے بھگا کر لے گیا۔

اندھیری رات میں ہوا کا طوفان ہے اور ہر قسم کا جان کا خطرہ ہے، پھر بھی شاعر اپنا سفر جاری رکھتا ہے، اچانک اس کی نظر وادی میں چند خیموں پر پڑتی ہے، چند دوشیزہ لڑکیاں خیموں سے نکل رہی ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا چند "مور" ہیں جو پانی کے چشمے کی طرف جا رہے ہیں[۳]۔ اس نے اپنی محبوبہ کو بھی دیکھا وہ بھی اس قطار میں خود بہشت معلوم ہو رہی تھی۔ نازک خرامی کے ساتھ وہ شاعر کی طرف بڑھتی جاتی ہے اور اس سے بے حجابانہ پوچھتی ہے

---

۱ لفظ "صاحب" سے یہاں مراد وزیر ابوالحسن ہے جس کی شان میں یہ قصیدہ کہا گیا ہے۔ اس قسم کے گریز کو "استطراد" کہتے ہیں، کیونکہ شاعر نہایت ہوشیاری سے تشبیب میں اپنے ممدوح کا ذکر کرتا ہے۔

۲ عربی شاعری میں اجڑے ہوئے مقامات کے آثار کو کاغذ سے تشبیہ دی جاتی ہے جس پر کالی روشنائی سے کچھ حروف لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔

۳ یہ تشبیہ عربی شاعری سے لی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو المنخل الیشکری (ابن قتیبہ صفحہ ۲۳۸ سطر ۱۵)
فدفعتها وتدافعت * مشی القطاۃ الی الغدیر (میں نے اور اس نے دھکم پیلی کی اور تیتروں کی مانند پانی کے چشمے کی طرف چلے)۔ منوچہری نے تیتر کے بجائے مور کا لفظ استعمال کیا ہے۔

کہ کیا وہ اِن بِن بلائے ہوئے مہمانوں کی خاطر تواضع نہیں کرے گا؟ شاعر نے بھی موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور کہنے لگا :-

۲۷۔ فکندم زمام و رحالِ نجیبہم　　　والھمت بالنحر والنحر واجب

(میں نے اپنے بڑھیا اونٹ کی مہار پھینکی اور اس کی کاٹھی اتاری۔ مجھے اونٹ کی قربانی کا خیال آیا کیونکہ قربانی کرنا ایک فریضہ ہے)

۲۸۔ چو مرکب فدائے بت داستان شد　　　مرا گفت دلبر کہ "طال المعاتب"

(جب اپنی سواری کے اونٹ کو میں نے اپنی محبوبہ کے لیے قربانی کی تو وہ مجھ سے کہنے لگی: "بس کر۔ اب زیادہ بُرا بھلا نہ کہہ"[1])

۲۹۔ شدم از عماری من اندر عماری　　　وقد سرت حقا سعید العواقب

(میں نے پھر صحرائی سفر لیا اس کے ساتھ عماری میں بیٹھ کر طے کیا۔ درحقیقت میں نے خود کو حالات کے پلٹا کھانے پر خوش نصیب پایا۔)

اس قصیدے میں امرؤالقیس کے مشہور معلقہ کے الفاظ موجود ہیں۔ مثلاً سجنجل، غدائر اور قندیل راھب۔ اس کے علاوہ امرؤالقیس کی زندگی کا وہ واقعہ بھی ہے جو اُسے عُنیزہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور اس نے اپنی اونٹنی کو ذبح کرکے عنیزہ کی سہیلیوں کی ضیافت کی تھی اور پھر عنیزہ کے ساتھ ہم رکاب رہا تھا۔ اس سے بڑھ کر نقالی کی مثال شاید ہی ملے! یا یہ مان لیا جائے کہ منوچہری کو بھی اپنی زندگی میں یہ سانحہ پیش آیا تھا!

امرؤالقیس کے معلقہ کو پڑھ کر منوچہری غیر معمولی طور پر متاثر معلوم ہوتا ہے، اس کی خوبیوں کو اپنے دل سے وہ بھلا نہ سکا۔ منوچہری کا ایک اور قصیدہ ہے جو اس کے دیوان میں نہیں ملتا۔ لیکن شمس قیس اپنی کتاب موسوم بہ "معجم" (صفحات ۴۰۷ اور ۴۰۸) میں اسے لے آتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ غیر مانوس قافیوں والی نظم ہے۔ اس نظم میں شاعر کوتے سے مخاطب ہوکر

---

[1] دوسرا مصرعہ یکایک ختم ہوگیا۔ شاعر نے اپنی محبوبہ اور اس کی سہیلیوں کو کھانا کھلایا۔ اب وہ اپنی محبوبہ سے جھگڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے ساتھ ہم رکاب ہو۔

کہتا ہے کہ "میں نے اپنی کھیتی کا خیمہ بنایا ہے یہ کہہ کر یہ کپڑے کا خیمہ تھا ہے" حیرت تو یہ ہے کہ اس محبوبہ کا نام بھی عنیزہ[۱] ہے جو متزاملا اور سقط اللوی (ریتیلے ٹیلے) پر اپنا مسکن بناتی ہے جیسا کہ امرؤالقیس نے ذکر کیا ہے۔ زاں بعد منوچہری فرق کا ذکر بیان کرتا ہے اور کہتا ہے ؎

ز خواب ہر ما گشتہ بیدار ہر کس   نخواہم شدن من ز خوابش مفیقا

(ہر شخص خواب مستی سے بیدار ہوتا ہے، لیکن میں ہوں کہ اس خواب سے بیدار نہ ہوا)

اس میں امرؤالقیس کے ذیل کے شعر کی بازگشت ہے

تسلّت عمايات الرجال عن الصبا

وليس فؤادي عن هواك بمنسلي

(لوگ عشق کی سرمستیوں سے بہت جلد ہوش میں آ جاتے ہیں لیکن میرا دل تیری محبت سے آزاد نہ ہوا)

قصیدہ نمبر ۱ کا آغاز کوے کی آواز سے ہوتا ہے۔ پھر اجڑے ہوئے دیار کا ذکر آتا ہے۔ اس کے ساتھ رات کے اندھیرے میں دہشت ناک سفر کا منظر ہے۔ الغرض نسیب نے پینتیس[۳] اشعار لے لیے ہیں۔ قصیدہ نمبر ۲۹ بھی اسی طرز پر ہے۔ اور پروفیسر براؤن نے اس کا بہترین ترجمہ انگریزی زبان میں کیا ہے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ تاریخ ادبیات ایران جلد ا صفحات ۳۰ تا ۴۲ پر اس کا مطالعہ فرمائیں۔

اب ہم ابوالمعالی الرازی[۲] کی طرف اپنی عنان توجہ منعطف کرتے ہیں۔ اس کا قصیدہ بھی کوے کی پیشین گوئی والی آواز سے شروع ہوتا ہے[۳] ؎

۱۔ خروش من ہمہ از نہیب غراب   کہ دور ساخت مرا از دیار و ز احباب

(میری تمام آہ وزاری کس وجہ سے ہے؟ یہ کوے کی آواز سے ہے جس نے مجھے بستی سے اور احباب کے

---

[۱] المعجم میں اس کا نام عزیزہ یا عُزیزہ لکھا ہوا ہے جو عُنیزہ کا متبادل معلوم ہوتا ہے۔ یہ تینوں نام لکھنے میں ایک جیسے ہیں اور ایک کو دوسرے کی جگہ متبادل پڑھا جا سکتا ہے۔ لفظ عزیزہ یا عُزیزہ اشعار میں کہیں نہیں آیا۔ لہٰذا یہ تحقیق شدہ امر ہے کہ اصل نام عنیزہ ہے۔

[۲] لباب جلد ۲ صفحات ۲۲۸ تا ۲۳۲۔

(باقی حاشیہ آئندہ صفحے پر)

رہنے ڈالوا، سے دور پھینک دیا ہے)

۱۱- دیار نیز شد از گشت روزگار چنان کہ روزگار بماند ز دور ہمی بعجاب
(بستی بھی گردش روزگار سے ایسی ہوگئی ہے کہ زمانہ تعجب سے اس کی طرف دیکھتا ہے)

۱۲- گمان برند کہ آنجایگاہ راحت و امن شدہ ز دوری تو سر بسر بیاب و خراب
(لوگوں کا خیال ہے کہ مذکورہ راحت و امان والی جگہ تیرے فراق کی وجہ سے ویران و خستہ حال ہوگئی ہے)

۱۳- گرفت خار ہمہ معدن گل خود روی شدہ سراب ہمہ جای لالۂ سیراب
(خودرو گلاب کے پھولوں کی جگہ کانٹے نظر آتے ہیں اور تر و تازہ گل لالہ کی جگہ سراب نظر آتا ہے)

۱۴- ز خرمی کہ نمودی نگارخانۂ تو نگار باغ ز شرمش درون شد بحجاب
(ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ تیرا نگارخانہ اپنی خوبی کی وجہ سے چمنستان کی دل فریبی کو ماند کر دیتا)

۱۵- تبہ نمود ہمی صنعت سحاب از وی بریزش ستیزہ ہمہ نقش آتش است سحاب
(ابر نے اس کی رونق کو خاک میں ملا دیا ہے- ہلاکت تیزی میں بادل وہی کام کرتا ہے جو آگ کرتی ہے)

(گزشتہ صفحے کا حاشیہ)

ظہیر کے حسب ذیل چار اشعار بھی ملاحظہ ہوں- (دیوان صفحہ ۴۴ الف) ان میں بھی اپنی خوبی اپنی جگہ پر ہے-

گراست زہرہ کہ با این دل ز صبر نفور در افگند سخنی از وداع نیسابور
(کس کی طاقت ہے کہ اس دل ناصبور سے نیشاپور میں وداع کی جو حالت تھی، بیان کرے)

اگرچہ می شنود نالۂ غراب دلیک چگونہ فہم کند آدمی زبان طیور
(اگرچہ کوے کی کائیں کائیں سنائی دیتی ہے مگر انسان کیسے پرندوں کی بولی سمجھ سکتا ہے)

ندانم این چہ دلیریست گوئیا کہ غراب زیار خویش نبودست ہیچ شب مہجور
(معلوم نہیں، یہ کیسی دلیری کی بات ہے کہ کوا کبھی بھی رات کے وقت اپنے محبوب سے جدا نہ رہا)

غراب را چہ خبر زانکہ ہر شب از غم ہجر چگونہ می گزرد حال این دل رنجور
(کوے کو کیا خبر کہ دل زدہ پر فراق کی راتیں کیسے گزرتی ہیں؟)

اور آنے والے تین قصیدوں کا آغاز التجا سے ہوتا ہے، جس میں شاعر ساربان سے کہتا ہے کہ محبوبہ کی ویران بستی پر ٹھہر جا، تاکہ میں پھوٹ پھوٹ کر روؤں اور اپنے آنسوؤں سے اس مقام کو غسل دوں۔ پہلا قصیدہ معزّی کا ہے[۵۷]

۱- اے ساربان منزل مکن جز بر دیار یار من
تا یک زمان زاری کنم بر ربع و اطلال و دمن

(اے ساربان! میری محبوبہ کی منزل کے سوا اور کہیں نہ ٹھہر۔ مجھے کچھ وقت کے لیے اس منزل کے نشانات اور کھنڈرات پر دو آنسو بہانے دے)

---

[۵۷] دیوان معزّی صفحہ ۱۴۱ الف اور اس کے بعد والے اشعار

معزّی کا ایک دوسرا قصیدہ ہے (انڈیا آفس والا مخطوطہ۔ دیوان صفحہ ۲۰۲) جس کے آغاز میں ساربان سے التجا کی گئی ہے کہ وہ کوچ کرنے میں جلدی نہ کرے ؂

یک شب ز بہر من اے ساربان زدروازہ بیرون مبر کاروان!

(میری خاطر، اے ساربان! آج صرف ایک رات کے لیے کاروان کو شہر کے دروازے سے باہر نہ نکال) جب ساربان نے اس کی بات نہ مانی تو اس نے سالار کاروان سے ایک ایسا اونٹ طلب کیا جو اسے اس وحشت ناک ماحول سے نجات دلائے۔ وہ بھاگنے میں اتنا تیز رفتار ہو جتنا کہ ایک جن جو شیشے سے نکل کر بھاگتا ہے اور اگر اس اونٹ کو اس کا ساربان مُہار پکڑ کر چلائے تو ایسا معلوم ہو کہ ایک سانپ ہے جو کوہِ طور کو اپنی جگہ سے ہلا رہا ہے۔

یہ سارا قصیدہ یا تو سرے سے جعلی معلوم ہوتا ہے یا اسے شاعر نے اپنی کم سنی میں لکھا ہے کیونکہ بندش الفاظ کے لحاظ سے وہ مذکورۂ بالا قصیدے سے نہیں ملتا جلتا اور اس میں کئی باتیں غیر ضروری طور پر دہرائی گئی ہیں۔

ایک اور قصیدہ (حوالۂ مذکور صفحہ ۱۴۰ ب) یوں شروع ہوتا ہے ؂

تا بسلامت بحلہ آمد سلمیٰ حلہ شد از خرمی چون جنت ماویٰ

(چونکہ سلمیٰ اپنی منزل پر صحیح و سالم پہنچ گئی لہٰذا منزل خوشی کے مارے فردوس بریں زمین معلوم ہوتی ہے)

۲- ریزم از دلم پر خون کنم خاک دمن گلگون کنم

اطلال را جیحون کنم از آب چشم خویشتن

(خونِ جگر سے میں اس مقام کو تر کردوں اور وہاں کی مٹی کو اپنے خون کے آنسوؤں سے لال کردوں۔ آنکھوں سے ایسے آنسو بہاؤں تاکہ معلوم ہو دریائے جیحون بہہ رہا ہے)

---

۵ معزی کا ایک دوسرا قصیدہ ان اشعار سے شروع ہوتا ہے (ملاحظہ ہو: مجمع الفصحا، صفحہ ۲۳۲ الف)

طالَ اللیالی بعدکم وابیضّ عینی من بکا

یا حبّذا ایّامنا فی وصلکم یا حبّذا

(راتیں پہاڑ جیسی لمبی ہیں اور میری آنکھ روتے روتے پتھرا گئی ہے۔ وہ کیسے خوشگوار دن تھے جو ہم نے ایک ساتھ گزارے تھے)

اس قصیدے میں شاعر اپنی محبوبہ کے بجائے ایک نوخیز لڑکے کے اوصاف لکھنے لگتا ہے۔ اس بدذوقی نے عہدِ بنی عباس کے اوائل سے مسلمانوں کی شاعری کو داغدار کردیا ہے۔ والبہ نے تشبیب میں عشقیہ اشعار رکھنا شروع کیا جس میں کسی نوخیز لڑکے کا ذکر ہوا کرتا تھا۔ اس کے شاگرد ابونواس نے اس میں حد کردی۔ فارسی شاعر بھی پیچھے نہ رہے، عوفی نے جو غزلیں لباب میں دی ہیں سب اسی قسم کی ہیں۔ رودکی بھی اس حمام میں ننگے ہیں۔ مذکورہ بالا قصیدے کے دو اشعار ہیں جو شب دیجور کو بیان کرتے ہیں

تیرہ شبے کز ہاویہ دادی نشان ہر زاویہ　　چون قطرہا بر زاویہ پیدا کواکب بر سماء

(رات ایسی تاریک تھی کہ ہر گوشہ دوزخ معلوم ہوتا تھا اور آسمان پر ستارے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کسی مشکیزے پر پانی کے قطرے ہوں)

بر جانب مشرق شفق چون لالہ بر سیمین طبق　　کوکب بگردش چون عرق بر عارض معشوقہا

(مشرق میں شفق کا اجالا ایسا چمک رہا تھا جیسا کہ گل لالہ چمک رہا ہو کسی سیمیں طبق میں۔ اس کے چاروں طرف ستارے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے کہ کسی خوبرو کے رخسار پر پسینہ کی بوندیں)

اس آخری شعر میں شفق اور ستاروں کی تشبیہ ایک مشرقی لڑکی کے گلابی رخساروں سے دی گئی ہے جن پر پسینے کی بوندیں پڑی ہوئی ہوں۔ ایسی تشبیہ کا ذکر باب پنجم میں آئے گا جہاں رضیہ شاعرہ کا بیان ہوگا۔ معزی کے کئی قصیدے ہیں جن کی ابتدا شاعر اپنی محبوبہ کے فراق کے منظر سے کرتا ہے۔

۳۔ از رُوی یار خرگهی ایوان همی بینم تهی
وز قدّ آن سرو سهی خالی همی بینم چمن
(مجھے صحن میں اپنی محبوبہ کا چہرہ نظر نہیں آتا۔ میں چمن میں وہ سرو بالا نہیں پاتا)

۴۔ آنجا کہ بود آن دلستان با دوستان در بوستان
شد گرگ و روبہ را مکان شد کوف و کرکس را وطن
(جہاں محبوبہ سہیلیوں کے ساتھ باغ میں کھیلا کرتی تھی، وہاں اب لومڑیاں اور بھیڑیے رہتے ہیں اور وہاں اب اُلوؤں نے اور گِدھوں نے اپنا بسیرا کر لیا ہے)

۵۔ برجای رطل و جام مے گوران نہاد ستند پی
برجای چنگ و نای و نی آواز زاغست و زغن
(اب ساغر و مینا کی جگہ گورخروں کے پاؤں کے نشانات ہیں۔ چنگ و رباب کی جگہ زاغ و زغن کی آواز سنائی دیتی ہے)

۶۔ ابراست برجای قمر، زہراست برجای شکر
سنگ است برجای گہر، خار است برجای سمن
(چاند کی جگہ بادل نے لے لی ہے، شکر کی جگہ زہر ہے۔ جہاں موتی تھے وہاں اب پتھر ہیں اور جہاں چنبیلی کے پھول تھے وہاں کانٹے اُگ رہے ہیں)

۷۔ آری چو پیش آید قضا، مروا شود چون مرغوا
جای شجر گیرد گیا، جای طرب گیرد شجن
(ہاں! قضا و قدر سے نیک شگون بھی بد فال ہو جاتے ہیں۔ پودوں کی جگہ گھاس اُگنے لگتی ہے اور مسرت و شادمانی کی جگہ غم و اندوہ لے لیتے ہیں)

۸۔ کاخی کہ دیدم چون ارم خرم تر از روی صنم
دیوار او بینم بخم، مانندۂ پشت شمن
(وہ محل جو کسی زمانے میں باغ ارم معلوم ہوتا تھا اور تازگی میں معشوق کے چہرے سے بازی لے جاتا تھا، اس کی دیواریں ٹوٹ رہی ہیں اور ان میں کجی آ گئی ہے جیسے کہ بت پرستوں کی کمر میں خم آ جاتا ہے جب وہ بتوں کے سامنے جھکتے ہیں)

۹۔ از حجرہ تا سُعدی بشد وز خیمہ تا سلمیٰ باشد

وز حلہ تا لیلی بشد گویا بشد جانم ز تن!

(جب سُعدیٰ نے اپنا گھر چھوڑا اور سلمیٰ نے خیمہ خالی کر دیا اور لیلیٰ بھی کوچ کر گئی تو میں بھی بے جان ہو گیا)۔

اس کے بعد وہ اپنی محبوب کے حسن و جمال کا بیان پھیکے دار انداز میں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ

"میرا دل اس کے فراق میں غمگین ہے اور میرے سیاہ بال کافور کے مانند سفید ہوگئے ہیں۔ میں رات رات بھر بے چینی کی وجہ سے بستر پر ایسا تڑپتا ہوں جیسا کہ مرغ سیخ پر کباب ہوتے وقت تڑپتا ہے"

ازاں بعد وہ اپنے اونٹ کو ہنکاتا ہے اور اپنے ممدوح سے جا ملتا ہے۔

دوسرا قصیدہ عبدالواسع جبلی کا ہے[۱]

۱۔ چند باشم در دیار و منزل دعد و رباب روز و شب نالندہ و گرینده چون رعد و سحاب

(بادل اور بجلی کے مانند میں کب تک دعد و رباب کی منزل گاہ پر آہ و زاری کرتا رہوں)۔

۲۔ تا ز حسن دلبران گشتی جدا مانند آن دیار تا ز لعبتان خوش تہی گشت آن جناب

۳۔ آب چشم عاشقان نو گردد نشان گرد چو طوفان نوح آنرا ہمہ یکسر خراب

(جب سے خوب رووں نے مکان خالی اور ویران کیا ہے اور جب سے وہ بارگاہ اجڑ گئی ہے، عاشقوں نے اپنے گریہ سے نوحؑ کا طوفان برپا کر دیا ہے اور اس مکان کے نشانات مٹا دیئے ہیں)

۴۔ بود چون باغ ارم ہموارہ از نقش حیات بود چون خلد برین پیوستہ چون حسن مآب

(وہ ہمیشہ اپنی چہل پہل کی وجہ سے باغ ارم معلوم ہوتا تھا اور وہاں ایسا ہی آرام ملتا تھا جیسا کہ بہشت میں مل سکتا ہے)

۵۔ گر وطن گیری کنون در وی صبا بینی جلیس ور سخن گوئی کنون در وی صدا یابی جواب

(اب اگر تو اس میں جا کر رہے تو ہوا کے سوا تیرا اور کوئی ساتھی نہ ہوگا اور اگر تو وہاں کچھ بولے گا تو تیری)

---

[۱] دیوان صفحہ ۱۷ ب اور مجمع الفصحا صفحہ ۷۰ الف۔

آواز گونجے گی)

۶- گر زتنہائی درد دمساز گردم با طیور گر زشیدائی درد ہمراز باشم با ذباب
(بعض اوقات میں تنہائی میں پرندوں سے جی بہلاتا ہوں اور کبھی کبھی عالم رنجوری میں مکھیوں سے باتیں کرتا ہوں)

۷- ای بسا شبہا کہ من تا روز در وی بودہ ام با حریفان در نشاط و با نگاریان در عتاب
(آہ! کتنی راتیں میں نے صبح ہونے تک وہاں اپنے دوستوں کے ساتھ ہنسی خوشی میں اور محبوباؤں کے ساتھ چہل کرتے ہوئے گزاریں)

۸- گوش من سوی سماع و ہوش من سوی شباب چشم من سوی نگار و دست من سوی شراب
(میرے کان موسیقی کی طرف لگے ہوئے تھے اور میرا دماغ خوبروؤں میں تھا۔ میری آنکھیں محبوب کی طرف تھیں اور میرا ہاتھ ساغر کی طرف تھا)

۹- زار نالانم چون بلبل دیدہ پرخون چون تذرو تا نفورم کرد زان کبک دری بانگ غراب
(جب سے کوے کی آواز نے مجھے کبک دری سے بیزار کردیا ہے، میں بلبل کی مانند نالاں ہوں اور میری آنکھیں تیتر کی آنکھوں کی مانند لال ہیں)

۱۰- دلبری کز عارض او آبروی گل بریخت در فراق روی او شد دیدۂ من پرگلاب
(اس ماہ رو کے رخسار نے گلاب کے پھول کی چمک ماند کردی تھی۔ میری آنکھیں اس کے فراق میں رو رو کر سوج گئی ہیں)

۱۱- نرگسی دارد سیاہ و سوسنی دارد سفید لالہ دارد لطیف و سنبلی دارد بتاب
(اس کی آنکھیں نرگس کے مانند سیاہ ہیں۔ چہرہ سوسن سا سفید ہے، ہونٹ لالہ جیسے نرم اور گیسو سنبل جیسے تابدار ہیں)

۱۲- سنبلی چنبر نہاد و نرگسی خنجر گزار لالہ شکرفشان و سوسنی عنبر نقاب
(اس سنبل میں کئی حلقے ہیں جو دلوں کو گرفتار کرلیتے ہیں۔ اس نرگس میں کٹار جیسی دھار ہے، اس لالہ میں شکر ریزی ہے۔ اس سوسن کو غبار آلود نقاب نے پوشیدہ کررکھا ہے)

ان اشعار کے بعد شاعر اپنے گھوڑے کا ذکر کرتا ہے جو اسے ممدوح تک پہنچاتا ہے۔

تیسرا قصیدہ لامعی کا ہے جو معزّی اور انوری کا ہم عصر ہے۔ اس کا آغاز شکستہ اور ریخت مکانات کے ذکر سے ہوتا ہے۔ اس قصیدے کی تشبیب میں ایک مثالی شان ہے، یہی وجہ ہے کہ اُسے من و عن یہاں پیش کیا جارہا ہے[1] :

۱۔ هست این دیار یار شاید فرود آرم جمل — پرسم ز رباب و دعد را احوال از ربع و طلل

(یہ اپنی محبوبہ کا گھر ہے، یہاں اونٹ کو ٹھہرانا چاہیے اور رباب و دعد کی یادگار عشق تو یہاں کے مکانات پوچھنا چاہیے)

۲۔ جویم رفیقی را اگر دارد از لیلی خبر — داند از این منزل قمر کی رفت کی آمد زحل

(کسی ساتھی کو تلاش کرنا چاہیے جو لیلیٰ کے متعلق کچھ بتا سکے اور وہ یہ بھی جانتا ہو کہ چاند نے یہ منزل کب خالی کی اور اس منزل میں زحل (نحس اکبر) کب داخل ہوا)

۳۔ خون بارم از شوق حبیب از دیده چندان بر قتب — ایدون که پنداری طبیب از چشم بریده سبل

(میں اپنی محبوبہ کی یاد میں ان درختوں پر جس سے کاٹھی بنائی جاتی ہے، اتنا روتا ہوں کہ تم سمجھو گے کہ شاید طبیب نے میری آنکھوں کے قرنیہ کی سفیدی کاٹ ڈالی ہے)

۴۔ جای همی بینم خراب اندر میان او سحاب — آتش زده گاه گراب از قوت برق و زجل

(میں اُس جگہ کو ویران پاتا ہوں، اس کو بادل نے برستے وقت گرج چمک سے برباد کر دیا ہے)

۵۔ گشته زمین او بخیل آب اندر و مانده قلیل — آورده بر روی نخیل آنگه کروب اکنون دقل

(یہاں کی زمین بنجر ہوگئی ہے، پانی کی قلت ہے۔ کھجور کے درخت جو کبھی اچھی فصل دیتے تھے اب ان کی فصل معمولی ہوگئی ہے)

۶۔ بے آب مانده منبعش بے بار مانده مرتعش — در قاعهای بلقعش خیل شیاطین را زجل

(حوض سوکھ پڑا ہے۔ چراگاہیں خشک ہیں۔ اس بے آب و گیاہ زمین میں بھوتوں کی آوازیں آرہی ہیں)

۷۔ سهمش چو سهم هاویه صد بیم در هر زاویه — اعجاز نخل خاویه[2] دیوار و بامش را مثل

---

[1] دیوان صفحہ ۱۶ الف ب۔ مجمع الفصحا صفحہ ۳۹۴ الف ب۔ کاشی صفحہ ۳۵ ب۔ [2] القرآن ۶۹:

(اس کی وحشت دوزخ کی یاد دلاتی ہے اور ہر گوشے میں سینکڑوں خطرے لاحق ہیں۔ اس کی دیواریں اور چھتیں کھجور کے کھوکھلے تنے معلوم ہوتے ہیں)

۸۔ کردہ بمآء منہمر[۱] ویران عزیز مقتدر[۲] الّا بامر قد قدر[۳] نتوان چنین کردن عمل

(قادرِ مطلق نے پانی کے ایک ریلے سے اس کو ویران کر دیا ہے۔ یہ ماجرا قضا و قدر کے سوا نہیں ہو سکتا)

۹۔ گر نیست این کار فلک در دامنش چون خسک خاک اندرو چون شد نمک آب اندرو چون شد وحل

(اگر یہ آسمان کا کام نہیں ہے تو پھر گلاب کے پھول کی جگہ کانٹا کیوں ہے؟ زمیں کیوں شور ہو گئی ہے اور پانی کیوں گدلا ہے؟)

۱۰۔ تا من برفتم زین چمن نی سرو ماند و نی سمن بودی ہمانا اشک من آنگہ نہالش را نہل

(جب سے میں اس چمن سے جدا ہوا اس میں سرو ہے نہ چنبیلی۔ اس وقت میرے ہی آنسوؤں نے ان کو سیراب کیا تھا)

۱۱۔ کو خانۂ سعدیٰ و مَی آنکہ از کف آن ہر دو می خوردم بجام اندر دوحی این در تمیم آن در ہذل

(سعدیٰ اور میّہ کا گھر کہاں ہے! ان دونوں کے ہاتھوں سے میں نے شراب پی تھی۔ اس کے ساتھ قبیلۂ تمیم میں اور اس کے ساتھ قبیلۂ ہذیل میں)

۱۲۔ وان ہمچو گنبد خیمہا در خیمہ حسنا رو یہا این چون سہیل و آن چون سُہا آراستہ زیشان حلل

(اور وہ گنبد نما خیمے کہاں ہیں جن میں ان کے مکین رہتے تھے، ایک سُہیل جیسی تھی تو دوسری سُہا جیسی۔ انھی سے ان منزلوں کی رونق تھی)

۱۳۔ اکنون بجای ہر یکی بینم ہمی رسم اندکی آوردہ پنداری چکی سکانش را دہر از اجل

(اب ان خیموں میں سے ہر ایک خیمہ میں سوائے چند نشانات کے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مکینوں کو زمانہ نے تقدیر کی چکی میں پیس ڈالا ہے)

۱۴۔ رفت آنکہ در ہر گنبدی آواز آن مرغ آمدی کی چون ندا کردی زدی چون شاطر از شادی بغل

(ایک زمانے میں ہر گنبد سے مرغ کی آواز آتی تھی، مرغ جب چلاتا تھا تو خوشی میں اپنے پروں کو پھڑپھڑاتا تھا)

---

[۱] القرآن ۵۴: ۱۱ [۲] ۵۴: ۴۲ [۳] ۵۴: ۱۲

۱۵- بانگ پلنگ آید ہمی فریاد رنگ آید ہمی آشوب سنگ آید ہمی چون گاہ زلزال از قلل
(لیکن اب چیتے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ جنگلی بکری چلاتی ہے اور پہاڑوں سے چٹانوں کے لڑھکنے کی آواز آتی ہے)

۱۶- گوئی کجا رفت آن صنم کہ بود در عالم علم خوردہ دم عذرا بدم بردہ دل وامق بدل
(بتاؤ! وہ محبوبہ کہاں ہے جو سارے عالم میں مشہور تھی اور جس نے عذرا کو دم بخود کر دیا تھا اور وامق کے دل کو چرا لیا تھا)

۱۷- آن پاک چون اخلاق حر چشیم از فریب و ناز پر زیر لب شیرینش دُر چون بر گل بشگفتہ طل
(وہ پاک دامن تھی۔ اس کی آنکھوں میں جادو تھا۔ اس کے ہونٹوں کے پیچھے موتی جیسے دانت ایسے چمک رہے تھے جیسے کہ گلاب کی پنکھڑیوں پر شبنم کے قطرے چمکتے ہیں)

۱۸- رخسار و زلفش را عرب در شعر خواندہ روز و شب نگینش رخ شیرینش لب سنگینش دل سیمین کفل
(رات دن عرب اس کے چہرے اور گیسو کی تعریف میں شعر کہا کرتے ہیں۔ اس کا چہرہ گلاب کے پھول جیسا تھا۔ اس کے ہونٹوں میں شیرینی تھی۔ اس کا دل پتھر جیسا تھا اور اس کے کولھے نرم اور گداز تھے)

۱۹- برد از دلم صبر و خرد چون بانگ را بر ناقہ زد کارم بپیش آورد بد لمّا تولّی وارتحل
(اس نے دل میں بے چینی پیدا کر دی اور ہوش و حواس غائب ہو گئے۔ جب اس نے اونٹ کو چلنے کے لیے آواز دی۔ اُس نے میری حالت غیر کر دی جب مُنہ پھرا کر وہ روانہ ہونے لگی)

۲۰- بے مونس و آب و چرا اندر مقامی من چرا چون کردہ ضائع بچہ را نخچیر در کہف جبل
(میں اس جگہ صید زبوں کے مانند جس کا بچہ دامنِ کوہ میں کھو گیا ہو، کیوں مارا مارا پھروں؟ ؎۱)

۲۱- بندم عماری بر ہیون آیم از ویران برون گیرد بویران اندرون کس جای ہرگز چون جعل
(مجھے اپنا بارکش تیار کر کے اس ویرانے سے نکل جانا چاہیے۔ کیا کوئی شخص بھونرے کے مانند ویرانے میں رہنا پسند کرتا ہے؟)

؎۱ قدیم عربی شاعری میت پر آہ و فغان کرنے والے کو اس اونٹنی سے تشبیہ دیتے ہیں جو اپنے بچے کی موت پر بلبلاتی ہے یا ایک نیل گائے سے تشبیہ دیتے ہیں جو اپنے بچے کی تلاش میں سرگردان رہتی ہے، جو کسی شکاری کے تیر سے لقمۂ اجل بن گیا تھا۔

۲۲- راغش در مشکل رہی با سہم وہیبت ہر جہی ماہ اندرون ماندہ ہی مانند اشتر در وحل

(میں ایک ناہموار اور پُرخطر راستے پر اپنا اونٹ ہانکتا ہوں۔ بادلوں میں چاند ایک کانپتے ہوئے اُونٹ کے مانند معلوم ہوتا ہے۔

۲۳- قاعی کہ آرد موج خون از تن مسافر را برون چون مرد را گاہ فسون آب از بصر بوی بصل

(وہ ایسا دشت ہے جہاں مسافر کے جسم سے خون اس طرح بہتا ہے جس طرح کہ جادو کرتے وقت پیاز کی بُو کی وجہ سے آنکھوں سے پانی بہنے لگتا ہے)

۲۴- گر زین بیابان بگذرم رنج سفر را بسپرم از تخم کشتہ برخورم گردد شرنگ من عسل

(اگر اس دشت سے گزر جاؤں اور سفر کی تکالیف جھیل لوں تو اپنے کیا کرا کا پھل مل جائے گا اور جو چیز کہ حنظل کے مانند کڑوی معلوم ہوتی تھی اب شہد کے مانند میٹھی لگنے لگی)

۲۵- پیش آیدم باغ ارم پر چتر و ترگاہ و خیم از طبل و منجوق و علم چون در گہ جمشید یل

(اور میرے سامنے باغ ارم ہوگا جس میں چتر شاہی ہوگا، شامیانے اور خیمے ہوں گے جن میں طبل علَم ہوں گے جیسا کہ جمشید بادشاہ کے ہاں ہُوا کرتے تھے)۔

جوہری زرگر کا ایک طویل قصیدہ ہے جو عربوں کے طرز پر لکھا گیا ہے۔ اس قصیدے میں شاعر دُور دراز مسافت طے کرنے کے بعد ایک تیز رفتار کاروان سے جاملتا ہے جس میں اس کی محبوبہ ہے۔ وہ سالارِ کارواں سے التجا کرتا ہے کہ اونٹوں کو کچھ دیر کے لیے کھڑا رکھا جائے تاکہ وہ اپنی محبوبہ کا آخری دیدار کرلے۔

فارسی میں کئی قصائد ہیں جن کا آغاز شاعر اور اس کی محبوبہ کے مناقشہ سے ہوتا ہے۔ شاعر چاہتا ہے کہ اپنے ممدوح کی طرف جانے کا تہیہ کرے لیکن اس کی محبوبہ اسے اس عزم سے روکنے کے لیے نہایت نرم انداز سے طنز کرتی ہے اور کہتی ہے کہ انعام حاصل کرنے کی امید موہوم پر سفر کی صعوبت برداشت کرنا اور ہم نشینی کی لذت سے محروم رہنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ لیکن شاعر اس کی باتوں میں نہیں آتا اور وعدہ کرتا ہے کہ وہ واپسی پر اپنی جیبیں انعام سے بھری لوٹے گا۔ وہ اس کو روتی ہوئی چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔

اس قسم کے قصائد ایرانیوں نے متاخرین عرب شعراء کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے لکھے۔

کچھ اور فارسی کے قصائد ہیں جن میں عرب شعراء کی طرح وہ بھی اپنی دور دراز رہنے والی محبوبہ کا خیال رات کے وقت اپنے دل میں پیدا کرتا ہے، ان میں ایرانی شعراء رسمی طور پر گھوڑوں، کا، معرکوں کا اور صحرائی سفر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ایسے قصائد کی مثالیں دینا بہت آسان کام ہے، لہٰذا کتاب کی ضخامت کو بڑھانے سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن جوئندہ یابندہ والا مقولہ بھی اپنی جگہ صحیح اور درست ہے۔

مذکورہ بالا مثالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایرانیوں کو عرب شعراء کا تتبع غیر مانوس اور غیر فطری معلوم ہوتا تھا۔ اگر ان کے قصائد کا عربی قصائد سے موازنہ کیا جائے تو ان کی شاعری ایک جھوٹ کا پلندہ معلوم ہوتا ہے۔ اس میں نہ تو خیالات کی ندرت ہے اور نہ جذبات کی اصلیت عربوں کے لیے اجڑے ہوئے خیموں کے آثار پر یا کسی اور چیز پر جس سے ماضی کی یادیں تازہ ہوتی ہوں رونا دھونا ٹھیک تھا لیکن ایرانیوں کو ان چیزوں پر رونے سے کیا واسطہ؟

علاوہ ازیں عرب شاعر اپنے قصیدے میں ایک محبوبہ کا ذکر کرتا ہے، لیکن ایرانی شاعر اپنے قصیدے میں تین یا چار بادیہ نشین محبوباؤں کا ذکر لاتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ باوجود فنی صلاحیت اور شستہ الفاظ کے ایرانی شاعروں کی کوششیں بے ڈھب معلوم ہوتی ہیں اور ناکامی سے ہمکنار ہوتی ہیں۔ اسی بنا پر ایرانیوں نے اس قسم کی تشبیب کو خیرباد کہا اور اس کی جگہ دوسری باتیں بیان کرکے اپنی عقلمندی کا ثبوت دیا۔ ایرانی شعراء میں منوچہری کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے نقل کو اصل بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ سعدی، حافظ اور جامی نے بھی اپنی غزلوں میں اس کا تتبع کیا ہے، لیکن ان کی غزلیات کے اس پہلو پر گفتگو کرنا ہمارا مقصد نہیں ہے۔

اب تک ہم نے ان قصائد کا ذکر کیا ہے جن کا آغاز تنہائی اور فراق سے ہوتا ہے یا جن میں شاعر کارواں سالار سے التجا کرتا ہے کہ وہ کچھ دیر کے لیے اونٹوں کو ٹھہرا لے تاکہ وہ اپنی محبوبہ سے وداع ہوتے وقت کچھ کہہ سکے۔ ہم نے ایک اور صنف بھی دیکھی جس میں شاعر اور اس کی محبوبہ کے درمیان مناقشہ ہوتا ہے۔ محبوبہ اسے خطرناک سفر پر جانے سے روکتی ہے اور کچھ اور وقت تک اسے اپنے پاس ٹھہرنے کو کہتی ہے۔

ایک اور قسم کا قصیدہ بھی ہے جسے ایرانیوں نے بہت لکھا ہے، اس میں شاعر اور اس

کی خیالی محبوبہ کے درمیان مکالمہ بطور تشبیب لایا جاتا ہے۔ اس قسم کے دو قصیدے انگریزی میں پروفیسر براؤن[1] اور پروفیسر نکلسن[2] نے ترجمہ کیے ہیں۔ ذیل میں ابوالحارث حرب بن محمد الحقوری (؟) الہروی کا ایک قطعہ[3] ہے ؎

گفتم این گرگر نمودن روی جباری بود
گفت قدر مردم اندر خویشتن داری بود

(میں نے کہا کہ "باربار رونمائی کرنا ظلم ہے" وہ بولی "مردوں کو چاہیے کہ کہ خودداری سے کام لیجیے")

گفتم این خواری چہ باید کی پرستم من ترا
گفت ہر کو بت پرستد از در خواری بود

(میں نے کہا "کیا تیرا پرستار ذلت وخواری کا مستحق ہے؟" کہنے لگی "بت پرستی کا یہی صلہ ہے")

گفتم آن زلفین تاری را ستر بر زآن دو رخ
گفت مہ را روشنی اندر شب تاری بود

(میں نے کہا "اپنے رخساروں سے سیاہ گیسوؤں کو ہٹاؤ" کہنے لگی "چاندنی شب تاریک ہی اچھی لگتی ہے")

گفتم آسانی و ناز امن ربود این عشق تو
گفت عشق نیکوان بارنج و دشواری بود

(میں نے کہا "تیری محبت نے دل کو بے قرار کر دیا ہے" کہنے لگی "مہ جبینوں سے دل لگانے میں درد اور مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا ہے")

اِس قسم کی گفتار کی مثالیں قدیم عرب شعراء میں ملتی ہیں۔ مثلاً امرءالقیس نے اپنے معلقہ میں کہا ہے ؎

---

[1] عنصری کا قصیدہ - ملاحظہ تاریخ ادبیات جلد ۲ صفحہ ۱۲۱

[2] فرخی کا قصیدہ - ملاحظہ ہو Studies in Islamic Poetry صفحہ ۱۷

[3] لباب جلد ۲ صفحہ ۶۰

تقول وقد مال الغبیط بنا معاً   عقرت بعیری یا امرأ القیس فانزل

(جب کجاوہ بوجھ کی وجہ سے جھکنے لگا تو اس نے کہا " اے امرأ القیس تو اتر جا - تو نے میرے اونٹ کی کمر توڑ ڈالی ہے")

فقلت لہا سیری وارخی زمامہ   ولا تبعدینی عن جناک المعلّل

(میں نے اس سے کہا " چل اور اس کی مہار ڈھیلی چھوڑ دے - مجھے تیرے بار بار چکھے ہوئے پھل سے محروم نہ کر")

فقالت سباک اللہ انک فاضحی   الست تری السمّار والناس احوالی

(اُس نے کہا "خدا تجھے غارت کرے تو مجھے بدنام کردے گا - کیا تجھے چوکیدار اور دوسرے لوگ میرے ارد گرد نظر نہیں آتے؟")

فقلت یمین اللہ ابرح قاعدا   ولو قطعوا راسی لدیک واوصالی

(میں نے کہا " میں تو خدا کی قسم ہٹنے والا نہیں ہوں - اگرچہ وہ میرا سر اُڑا دیں اور میری بوٹی بوٹی کردیں")

عُمر بن ابی ربیعہ کے بیشتر قصائد میں اس قسم کے مکالمات پائے جاتے ہیں - ان مکالمات نے اس کی شاعری کو ایک خصوصیت بخشی ہے - لیجیے یہ ایک مکمل قصیدہ ہے وضّاح الیمن کا جسے اس کی پہلی محبوبہ[۵] روضہ سے بات چیت کرتے ہوئے وہ شروع کرتا ہے ؎

یا روض جیرانکم الباکر   فالقلب لا لاہٍ ولا صابر

(اے روضہ! تمہارے پڑوسی صبح سویرے روانہ ہو رہے ہیں اور دل اس صدمے سے بے چین ہے) [۶]

---

[۵] اغانی - جلد ۶ صفحہ ۳۵ - بعد ازاں وہ امّ البنین کے عشق میں گرفتار ہوا جو اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک کی بیوی تھی - اس کا انجام بھی وہی ہوا جو عاقل کا ہوا تھا - عاقل مغل شہنشاہ اورنگ زیب کی چہیتی بیٹی زیب النساء کا عاشق مانا گیا ہے -

[۶] شاعر کہتا ہے کہ میرے قبیلے نے محبوبہ کے خیمے کے پاس اپنا پڑاؤ ڈالا تھا اور صبح ہوتے ہی وہ وہاں سے کوچ کر جائے گا - لہٰذا محبوبہ سے جدائی کا خیال شاق گزر رہا ہے -

قالت الا لا تلجن دارنا ان ابانا رجل غاشر

(وہ کہنے لگی: خبردار ہمارے گھر نہ آنا، ہمارے ابا بڑے غیور شخص ہیں۔)

قلت فانی طالب غرّۃ منہ وسیفی صارم باتر

(میں نے کہا: "پھر تو میں موقعہ کی تلاش میں رہوں گا۔ جب وہ بے خبر ہوں۔ میری تلوار تیز ہے اور اپنا جوہر دکھانے والی ہے)

قالت فان القصر من دوننا قلت فانی فوقہ ظاھر

(وہ کہنے لگی: "قلعے کی دیواریں حائل ہیں۔" میں نے کہا "میں دیوار پر چڑھ کر راستہ بنا لوں گا۔")

قالت فان البحر من دوننا قلت فانی سابح ماھر

(وہ کہنے لگی: "ہمارے مابین ایک سمندر ہے۔" میں نے کہا "میں بہترین پیراک ہوں۔")

قالت فحولی اخوۃ سبعۃ قلت فانی غالب قاھر

(وہ کہنے لگی: "میرے سات بھائی ہیں جو مجھے پہرہ دیتے ہیں۔" میں نے کہا "میں ان سب سے نمٹ لوں گا۔")

قالت فلیث رابض بیتنا قلت فانی اسد عاقر

(وہ کہنے لگی: "ہمارے مابین ایک جست لگانے والا شیر ہے۔" میں نے کہا "میں بھی شیر سے کم نہیں ہوں کوئی بھی آئے میں اُسے مار ڈالوں گا۔")

قالت فان اللہ من فوقنا قلت فربی راحم غافر

(کہنے لگی "کچھ تو خوف کر، خدا دیکھ رہا ہے۔" میں نے کہا "میرا خدا بڑا مہربان ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔")

قالت لقد اعییتنا حجۃ فات اذا ما ھجع السامر

(کہنے لگی "تو نے تو مجھے زچ کر دیا ہے۔ جا، رات کے وقت آنا جب قصہ گو لوگ سو جائیں۔")

فاسقط علینا کسقوط الندی لیلۃ لا ناہ ولا زاجر

(اُس وقت شبنم کی بوندوں کی مانند[۱] نہایت آہستگی سے آنا۔ نہ تجھے کوئی اس وقت روکے گا اور نہ کوئی ڈانٹ ڈپٹ کرے گا۔)

---

[۱] اس شعر نے ہم کو امرؤالقیس کے ایک شعر کی یاد دلائی ہے۔ وہ یہ ہے ؎

(باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہر شخص آسانی کے ساتھ دیکھ سکتا ہے کہ اس قسم کے سادہ مضمون میں عرب شعراء اپنی صاف گوئی اور راست بازی سے اور کسی تصنع کے بغیر گوئے سبقت لے جاتے ہیں۔ لیکن ایرانی شعراء میں شوخئ طبع ہوتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی نظموں میں عربوں کی سی بات پیدا نہیں ہوتی۔

مذکورہ بالا صنف جیسی ایک اور صنف شاعری ہے جسے مناظرہ، یا مقابلہ کی نظم کہا جاتا ہے۔ اس میں دو مجسم چیزیں مدمقابل ہوتی ہیں مثلاً قلم اور شمشیر یا شب و روز وغیرہ، ایک دوسرے کے حریف بن کر اپنا لوہا منواتے ہیں۔ ہم نے مانا کہ اس قسم کے مضامین عربی نثر میں موجود تھے۔ مثلاً الجاحظ کا مناظرہ مابین موسم بہار و موسم خزاں۔ لیکن اس کو منظوم کرنے کا سہرا ایرانی شاعر اسدی کے سر ہے[1]

گزشتہ باب میں جاہلیت کی شاعری کے مختلف موضوعات بیان کیے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ شعراء مابعد اسلام خواہ وہ عرب ہوں یا ایرانی، مرثیہ نویسی میں وہ اثر پیدا نہ کر سکے جو شعراء جاہلیت کا مابہ الامتیاز طرہ ہے، ان کے مراثی میں نہ جوش ہے نہ ولولہ اور نہ رقت۔ اب ہم ایک ایسی صنف کا ذکر کریں گے جس میں مرثیے کی اور قصیدے دونوں کی خوبیاں ہیں۔ ابن رشیق نے اس صنف کو نہایت مشکل بتایا ہے[2] شاعر اس قسم کی نظم میں اپنے سابق ممدوح کی رحلت پر اظہارِ غم کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کے ولی عہد

(پچھلے صفحے کا حاشیہ)

سموت الیہا بعد ما نام اہلہا
سمو حباب الماء حالاً علیٰ حال

(یعنی میں اس کی دیوار پر آہستگی سے ایسا چڑھا جیسا کہ حباب باری باری سے پانی کی سطح پر اٹھتا ہے)

انگریزی میں بھی ایک چہار بیتی میں یہ بات مذکور ہے ؎

He came all so still,
Where his mother was,
As dew in April
That felleth on the grass.

[1] ایتھے صفحہ über Persische Tongmau; Die Höfe und Romantik اور Die Persische Poesie Neue Persische Literatur جلد ۲۔ صفحات ۲۲۶ تا ۲۲۹

اور پروفیسر براؤن: تاریخ ادبیات ایران۔ جلد ۲۔ صفحہ ۱۴۹۔

[2] العمدۃ جلد ۲ صفحہ ۱۲۴

کی تخت نشینی مسرت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اس کی قدیم ترین مثال جو میرے ہاتھ لگی ہے، عبداللہ بن ہمام السلولی کی فی البدیہہ نظم ہے جس میں اس نے معاویہؓ کے انتقال پر یزید سے اظہارِ تعزیت کی اور اس کی تخت نشینی پر مبارکباد بھی پیش کی۔ تفصیل یوں ہے :-

"جب معاویہؓ کا انتقال ہوتا ہے اور یزید کی جانشینی کا اعلان کیا جاتا ہے تو امرائے عرب قصرِ امارت پر اظہارِ عقیدت کے لیے حاضر ہوتے ہیں، کسی میں یہ ہمت نہ تھی کہ مبارکبادی کے ساتھ تعزیت کا اظہار کرے۔ ہر کوئی دم بخود کھڑا تھا۔ یکایک عبداللہ بن ہمام خطاب کر کے کہتا ہے :-

"امیرالمؤمنین! خدا آپ کو اس صدمۂ جانکاہ کے برداشت کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے کرم سے آپ کو رعایا پروری میں ہمت دے۔ بے شک آپ کو بہت رنج ہے لیکن اس پر صبر کرنے کا اجر بھی بہت ہے۔ خدا کی نوازش کا شکر ادا کیجیے اور صبر و تحمل سے کام لیجیے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خلیفہ نے تمھیں داغِ مفارقت دیا لیکن اس کی جانشینی بھی تم کو ملی ہے۔ اگر نقصان عظیم ہوا ہے تو جو صلہ تمھیں ملا ہے وہ کسی قدر کم نہیں ہے معاویہؓ نے وفات پائی ہے اور تم اس کی جگہ پر ریاست کے والی ہوئے ہو خدا تمھیں تمام مسرتیں بخشے اور اس کا کرم تمھارے ساتھ شامل حال ہو!"[۱]

اس کی تان ذیل کے چار اشعار پر ٹوٹی ؎

اصبر یزید فقد فارقت ذامقة　　واشکر حباء الذی بالملك اصفاکا

اے یزید صبر کر! تو نے تیرے چاہنے والے باپ کو کھویا ہے اور خدا کی نعمت کا شکر بجالا، کیوں کہ اس نے تجھ کو چنا ہے۔

لارزء اعظم فی الاقوام نعلمه　　کمارزئت ولا عقبی کعقباکا

بنی نوع انسان پر کتنی ہی مصیبتیں نازل ہوں مگر تیری مصیبت کی نظیر نہیں اور تجھے جو اجر ملا اس کا جواب نہیں۔

---

[۱] مسعودی : مروج جلد ۵ صفحہ ۱۵۳ - مبرد : الکامل صفحہ ۷۸۵ - العمدۃ جلد ۲ صفحات ۱۲۴-۱۲۵ -
نہایۃ الادب جلد ۵ صفحات ۲۱۵ - ۲۱۶ - زہر الآداب للحصری جلد ۱ صفحات ۴۹ اور ۵۰ اور ابن قتیبہ : کتاب الشعر والشعراء صفحہ ۴۱۲

اصبحت راعی اھل الدین کلھم   فانت ترعاھم واللّٰہ یرعاکا

تو تمام اہل دین کا رکھوالا ہو گیا - تو ان کی رکھوالی کرتا ہے۔ اللہ تیری رکھوالی کرے گا

وفی معاویۃ الباقی لنا خلف   اذا نعیت ولا نسمع بمنعاکا

اور جب تو مرے گا تو تیرے بعد تیرا بیٹا معاویہ[۱] جانشین ہوگا - اللہ کرے ہم تیرے مرنے کی خبر نہ سنیں۔

عہد بنی عباس کے کئی شعراء نے عبداللہ بن ہمام کی پیروی کی ہے - ان میں سب سے پہلا شاید ابو دلامہ مسخرا ہے - اس نے نظم کے ایک پہلے مصرعے میں منصور کی وفات پر اظہار غم کیا ہے تو دوسرے مصرعے میں وہ مہدی کی تخت نشینی پر خوشی مناتا ہے ؎

عینای واحدۃ تری مسرورۃ   باماميها جذلی واخری تذرف

میری دونوں آنکھوں میں سے ایک اپنے امام کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور دوسری آنسو بہاتی ہے -

ابکی وتضحک مرۃ ویسوءھا   ما ابصرت ویسرّھا ماتعرف

ایک روتی ہے کیونکہ وہ جو کچھ دیکھتی ہے اس سے رنجیدہ ہے دوسری جو کچھ دیکھ رہی ہے اس سے خوش خوش ہے۔

فیسوءھا موت الخلیفۃ محرما   ویسرّھا ان قام بدر اراٴف

ایک اس لیے رنجیدہ ہے کہ خلیفہ حالت احرام[۲] میں مرگیا، دوسری اس لیے خوش ہے کہ چودھویں کا چاند طلوع ہو رہا ہے -

ما ان رأیت ولا سمعت کما اری   شعرا ارجلہ واخری انتف

جو کچھ دیکھ رہا ہوں، اسے میں نے نہ دیکھا تھا اور نہ سنا تھا - ایک بال کی کنگھی کرتا ہوں تو دوسرا بال اکھاڑتا ہوں -

---

[۱] یہاں یزید کے بیٹے معاویہ کی طرف اشارہ ہے - وہ اپنے باپ کے بعد ۶۴ھ میں تخت خلافت پر آیا لیکن اس نے بہت جلد خلافت سے دست برداری کرلی - اسے ابو لیلی بھی کہتے ہیں - کسی نے کہا ہے ؎ والملک بعد ابی لیلی لمن غلبا (زہر الآداب جلد ۱ صفحہ ۵۰)

[۲] منصور ۱۵۸ھ میں بیر میمون کے مقام پر مرگیا - وہ حج کا فریضہ ادا کرنے جا رہا تھا - یہاں سے مکہ کا ایک گھنٹے کا سفر ہے - (ملاحظہ ہو نولدیکے SKETCHES FROM EASTERN HISTORY - صفحہ ۱۴۴)

هلك الخليفه يا لامة محمّدٍ — وأتاكم من بعده من يخلفُ

خلیفہ کا انتقال ہوگیا! رسولِ پاکؐ کی امت کے لیے افسوس کا مقام ہے۔ لیکن اس کے بعد اس کا جانشین تم کو ہاتھ لگا ہے۔

اهدى لهذا الله فضل خلافة — ولذاك جنات النعيم وزخرفُ

اس کو اللہ نے خلافت عطا کی اور اس کو جنت الفردوس اور اس کی برکتیں عطا کیں۔

فابكوا المصيع خيركم و وليكم — واستبشروا المقام ذا وتشرفوا

اب تم ایک بہترین والی پر گریہ وزاری کرو اور دوسرے کے فخر و اعزاز پر خوشیاں مناؤ۔ [۱]

فارسی شاعری میں میری دسترس کے مطابق صرف ایک مثال ملتی ہے۔ عہدِ سامانی کا ایک شاعر ہے جس کا نام ابوالعباس الفضل بن عباس الربنجانی ہے۔ اس نے نصر (ثانی) بن احمد (۳۳۱ھ / ۹۴۲ء) کے انتقال پر اور نوح (اول) بن نصر کی مسند نشینی پر ایک نظم لکھی ہے ؎

(۱) پادشاہی گزشت خوب نژاد — بادشاہی نشست فرخ زاد

ایک عالی نسب بادشاہ گیا اور اس کی جگہ پر دوسرا عالی نسب بیٹھا!

(۲) زان گزشتہ زمانیان غمگین — زین نشستہ جہانیان دل شاد

جانے والے کو زمانہ روتا ہے۔ اس جانشین سے زمانہ خوش ہو رہا ہے۔

(۳) بنگر اکنون بچشم عقل بگو — ہرچہ بر ما ز ایزد آمد داد

چشمِ بصیرت سے دیکھو اور بتاؤ کہ خدا کا عدل مکتبستہ بے مثال ہے!

---

[۱] یہ اشعار سفینۃ البلغاء صفحہ ۱۰۵ اب میں ہیں۔ اس قسم کے اشعار (الف) ابوالشیص نے ہارون کی وفات پر اور امین کی مسند نشینی پر ۱۹۳ھ / ۸۰۹ء میں کہے تھے۔ ملاحظہ ہو ابن قتیبہ: الشعر والشعراء صفحہ ۵۳۵۔ (ب) ابو نواس نے فضل بن الربیع سے اظہار تعزیت کے طور پر کہے۔ دیکھیے دیوان صفحہ ۱۲۷۔ ابن رشیق: العمدۃ جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ اور نویری: نہایۃ الادب جلد ۵ صفحہ ۲۱۶۔ (ج) ابو تمام نے المعتصم کی وفات پر اور الواثق کی تخت نشینی پر ۲۲۰ھ / ۸۲۵ء میں کہے تھے (ملاحظہ ہو دیوان ابی تمام صفحہ ۱۷۶) بعد میں بہت سے آنے والے شعراء نے بھی کہے ہیں۔

(۴) گر چراغی ز پیش ما برداشت باز شمعی بجائے او بنہاد

اگر ایک چراغ بجھ گیا تو اس کی جگہ پر دوسری شمع روشن ہوگئی!

(۵) ذرزحل نحس خویش پیدا کرد مشتری نیز دادِ خویش بداد

اگر زحل نے اپنی نحوست پھیلائی ہے تو مشتری بہت جلد اپنی برکتیں عام کردے گا۔

غالباً زنجانی کے پیش نظر عربی مثالیں موجود تھیں جب وہ یہ چھوٹی سی نظم لکھ رہا تھا۔اس نظم کی وجہ سے لُباب الالباب میں اس نے جگہ پائی ہے[۱]

اب تک ہم نے صنفِ قصیدہ کی مختلف انواع بیان کی ہیں جو ایرانی شعراءنے اختیار کیے تھے غزل، مثنوی اور رباعی باقی رہ جاتے ہیں۔آخر الذکر صنف یعنی رباعی ایرانیوں کی پیدا کردہ ہے۔ اس کے متعلق آخری باب میں ذکر آئے گا۔

اگرچہ غزل عربوں کی ایجاد نہیں ہے لیکن وہ تشبیب کے سوا کچھ اور نہیں ہے جو متنِ قصیدہ سے الگ کردیا گیا ہے۔رفتہ رفتہ اس نے اپنی موجودہ شکل اختیار کرلی۔ایرانی شعراء کی غزلوں کے قدیم نمونوں میں تشبیب کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔دونوں میں محبوب کا حسن و جمال، دردِ فراق وغیرہ کا ذکر ہے۔ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ایرانی شعراء شروع زمانے میں غزل کے آخری شعر، یعنی مقطع میں اپنا تخلص نہیں لکھتے تھے۔یہ ایک مزید دلیل ہے اس بات کی کہ غزل پہلے پہل ایک جداگانہ صنف نہیں تھی جیسا کہ بعد میں وہ ہوگئی۔

مثنوی یا دو مصرعوں والی نظم کا بھی قدیم عربی شاعری میں سراغ نہیں ملتا۔عربی نظم میں ہم قافیہ الفاظ ہوا کرتے تھے، اس وجہ سے طویل نظم کا لکھنا کوئی آسان کام نہ تھا۔علاوہ ازیں عرب شعراء حقیقت پسند ہوا کرتے تھے۔وہ جو کچھ دیکھتے تھے یا محسوس کرتے تھے اس کو من و عن بیان کردیتے تھے، کسی قسم کے تصنع و رنگ آمیزی سے وہ کام نہیں لیتے تھے۔چنانچہ یہ بھی ایک دوسرا مانع سبب تھا۔عربی ادب میں شاہنامہ جیسی فردوسی کی رزمیہ نظم نہیں ملتی، اس میں نہ کوئی افسانہ نگاری ہے

---

[۱] جلد دوم صفحہ ۹۔اس نظم کا انگریزی ترجمہ پروفیسر نکلسن نے کیا ہے (اسٹڈیز اِن اسلامک پوئیٹری صفحہ ۱۴)۔ یہ ترجمہ اور کتاب بعد کو ہیں سے کئی اور ترجمے فاضل موصوف کی اجازت سے یہاں شامل کیے گئے ہیں۔

اور نہ ناول نویسی جیسی کوئی چیز ہے، واقعہ نویسی البتہ ہے، مثلاً امرؤالقیس اور عنیزہ والا قصہ یا جران العود کی عورتوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی باتیں یا عمر بن ابی ربیعہ اور جمیل کے اشعار۔ لیکن ان سب کو صحیح معنی میں افسانہ نگاری نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم اس سمت میں کچھ پیش رفت ضرور ہوئی ہے لیکن کوئی ٹھوس نتیجہ برآمد نہیں ہوا جو بعد کے آنے والوں کے لیے مشعل راہ ثابت ہو۔ عدی بن زید (ابن قتیبہ صفحہ ۱۲۔ وغیرہ) نے جذیمہ اور الزباء کا قصہ لکھا۔ اور مامون کے سپہ سالار طاہر نے محاصرے کے وقت بغداد پر جو کچھ بن آئی اس کا بیان تحریر کیا۔ یہ دونوں بے شک رزمیہ یا زمینیہ شاعری کی طرف ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن ان پر مزید کوئی کام نہیں ہوا۔ بغداد کے محاصرے کے واقعے کو ابو یعقوب الخریمی نے ذکر کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ابن قتیبہ صفحہ ۵۴۳ اور طبری جلد ۳ ورق ۸۷۴) عرب شعرا نے لیلیٰ اور مجنوں کی عشقیہ داستان بھی منظوم نہ کی۔ اس کی شہرت بھی ایرانیوں کے لیے مقدر تھی۔

عہد عباسیہ تک مثنوی کی صورت میں تصنیف و تالیف کرنے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی گئی۔ عربی میں مثنوی کو مزدوج (یعنی مثنیٰ کیا گیا) کہتے ہیں۔ بشار بن برد (المتوفی ۱۶۷ھ) غالباً پہلا شخص تھا جس نے مزدوج نظمیں لکھیں۔ اس کی کوئی بھی نظم ہم تک نہ پہنچ سکی۔ اس کے بعد ابان اللاحقی اور ابوالعتاہیہ آئے۔ الجاحظ[1] نے ابوالعتاہیہ کا ارجوزہ موسوم بذات الامثال نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ لاحقی نے برامکہ کے لیے کلیلہ و دمنہ کو عربی زبان میں منظوم کیا اور گراں قدر صلہ پایا۔[2] مسٹر این۔ ایم۔ پنزر نے اس شہرۂ آفاق ہندوستانی داستان کی عربی منظومات کی ایک مکمل فہرست اپنے دیباچہ پنچ تنترا میں دی ہے (جلد پنجم Ocean of Story بہ تصحیح Penzer) لیکن یہ تمام پند و نصائح والی نظمیں یا ابن المعتز والی نیم رزمیہ نظم بحر رجز میں لکھی گئی تھیں اور انھیں مثنوی نہیں کہا جاسکتا۔ اس صنف کو درجۂ کمال تک پہنچانے کا شرف بے شک ایرانیوں کو حاصل ہوا۔

---

[1] اغانی۔ جلد ... صفحہ ...

[2] اغانی۔ جلد ۲۰۔ صفحہ ۴۷۔ لاحقی کی دوسری منظوم داستانوں کے ناموں کے لیے ملاحظہ کیجیے الفہرست صفحات ۱۱۹ اور ۶۱۳

(مسلسل)

ڈاکٹر انیس صالح صدیقی

سلطان المشائخ

حضرت نظام الدین اولیاءؒ

رشد و ہدایت کا یہ آفتاب عالم تاب ۶۳۶ھ[1] میں مدینۃ الاولیاء بدایوں[2] کی سرزمین سے طلوع ہوا۔ وہ بدایوں جو شمالی ہندوستان کی اولین اسلامی فتوحات ہی سے ایک مرکزی و بارونق شہر بن گیا تھا۔

۱؎ مطلوب الطالبین (قلمی نسخہ) انڈیا آفس لائبریری ۸۹

۲؎ بدایوں زمانہ سلف ہی سے ایک ممتاز مقام کا حامل رہا ہے۔ عسکری نقطۂ نظر سے یہ شمالی ہند کا عظیم فوجی مرکز رہا ہے۔ اس مردم خیز خطے سے تاریخ کے ہر دور میں صدہا صاحبانِ ارشاد اور صاحب سیف و قلم اٹھے۔ سیکڑوں تشنگانِ علم اور کتنے ہی برگشتہ قسمت یہاں اپنی مرادوں کو پہنچے۔ مسلمانوں کی بستیاں یہاں مسلمانوں کی حکومت سے قبل ہی بس گئی تھیں اور یہاں کے مردانِ مجاہد نے غوری سپاہ میں شانہ بہ شانہ جہاد کرکے تاریخ کے صفحات پر انمٹ نقوش چھوڑے۔ سلاطینِ دہلی اس صوبہ کی گورنری صرف ہونہار و باصلاحیت افراد کو تفویض کرتے تھے۔ حضرت امیر خسرو، تاج الدین کو گورنری ملنے پر کہتے ہیں ؎

ای ز درگاہ شہ اقطاع بدایوں یافتہ
مسندے بالاتر از بالائے گردوں یافتہ

جہاں ایک اسلامی معاشرہ اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ وجود میں آگیا تھا اور جس کی سمت وسطِ ایشیا اور ماوراء النہر کے علاقوں سے پُرسکون علمی و ادبی ماحول کے متلاشی ادباء و شعراء مبلغ و مفسر، فقیہ و محدث کشاں کشاں پہلے آئے اور رہ پڑے۔ بقول پروفیسر نظامی

"بدایوں کی علمی فضا کو بس واقعے نے چار چاند لگا دیئے وہ فتنۂ مغول تھا، جب وسطِ ایشیا میں منگولوں کا طوفان کف بردہاں امنڈ آیا شروع ہوا تو وہاں کے علماء و اکابر کی ایک کثیر تعداد ہندوستان کی طرف رجوع ہوگئی عام طور سے جو لوگ عزت و شہرت کے خواہاں ہوتے تھے وہ دہلی میں رک جاتے تھے کہ دارالسلطنت کی زندگی میں بہرحال بڑی دلفریبی تھی۔ جو لوگ گوشۂ علم کے سکون کو دارالحکومت کے شور و غوغا پر ترجیح دیتے تھے وہ بدایوں کا رخ کرتے تھے ....."[1]

ان انفاسِ قدسیہ کے باعث بدایوں علم و فضل کا گہوارہ بن گیا تھا، تہذیب و تمدن کا مرکز کہلاتا تھا اور قبۃ الاسلام اور مدینۃ الاولیاء کے مبارک و قابلِ فخر ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ یہ آپ ہی کی محبت و عشق کا اثر تھا جس نے امیر خسروؒ (م ۷۲۵ھ) جیسے باکمال و جامع صفات شاعر سے بدایوں کی شان میں کہلوایا ؎

زہے کز مرقد اہلِ بصیرت چشمہ نور است
بجائے سُرمہ در دیدہ کشم خاکِ "بداؤں" را

حضرت نظام الدین اولیاءؒ کے آباء و اجداد بخارا کے باشندے تھے جو نقلِ مکانی کرکے براہِ غزنی پہلے لاہور اور بعد میں بدایوں میں سکونت پذیر رہے۔ آپ کی ولادتِ باسعادت کے وقت سلطان شمس الدین التمش (م ۶۳۳ھ) کی بیٹی سلطانہ رضیہ (م ۶۳۷ھ) دہلی کی حکمراں تھی۔

آپ حسینی سید ہیں۔ محبوبِ الٰہی، سلطان المشائخ اور سلطان السلاطین القاب و خطابات ہیں۔ پیدائش کے وقت آپ کا نامِ نامی محمد رکھا گیا۔ ایامِ طفلی ہی میں آپ کے پدر بزرگوار

---

[1] ذوالقرنین۔ بدایوں نمبر۔ ۱۹۵۶ء۔ تاریخی مقالات